پردیسی بکرے.....دیسی قصائی

تحریر: سہیل احمد لون

یکم جنوری 2002ء سے یورپ کے سترہ ممالک میں یکساں کرنسی یورو کا اجراء کیا گیا۔ میں اس وقت جرمنی میں مقیم تھا جہاں یورو کے اجراء سے قبل جرمن مارک مقامی کرنسی تھی۔ نئی کرنسی کے اجراء پر ملا جلا ردعمل تھا جرمن باشندوں کی اکثریت اس کو ملک میں مہنگائی کا پیش خیمہ سمجھ رہے تھی۔ یورو کے اجراء کے بعد مہنگائی میں خاطر خواہ اضافہ دیکھنے میں آیا اسی وجہ سے جرمن لوگوں نے یورو کو (teuro) یعنی مہنگا کہنا شروع کر دیا۔ مہنگائی میں بتدریج اضافہ بالا آخر انہیں معاشی بحران تک لے آیا جس سے نبٹنے اور نکلنے کے لیے جرمن قوم کو کافی ہاتھ پاؤں مارنا پڑے۔ معاشی بحران میں کھانے پینے اور دیگر گھریلو اشیاء کی قیمتوں میں اضافے کی شرح کا تناسب مزدور کی کم سے کم تنخواہ کو بنیاد بنا کر کیا گیا۔ حکومت نے ٹیکس بھی بڑھایا مگر کم تنخواہ والے اس سے مستثناء تھے۔ ملک میں مہنگائی بھی ہوئی، ٹیکس بھی بڑھائے گئے مگر اس بات کا خیال رکھا گیا کہ زندگی کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے میں کسی کو کوئی دقت پیش نہ آئے۔ عام چیزوں کی قیمتوں میں پانچ سے سات فیصد تک کا اضافہ ہوا مگر سگریٹ کی قیمتوں میں شروع میں پچیس فیصد اضافہ کیا گیا جسے آہستہ آہستہ بڑھا کر سو فیصد تک کر دیا گیا۔ کبھی سگریٹ کے پیکٹ کی قیمت بڑھا دی جاتی تو کبھی پیکٹ میں سگریٹ کی تعداد کم کر دی جاتی، دونوں صورتوں میں سگریٹ نوشی کرنے والوں کو ہی کسر لگتی۔ سگریٹ کی قیمت بڑھانے کے ساتھ ساتھ سگریٹ کے پیکٹ پر وزارت صحت کا پیغام ''تمباکو نوشی صحت کے لیے نقصان دہ ہے'' کے اشتہار کا سائز بھی بڑا ہوتا گیا ٹرینوں، بسوں، دفاتر اور عوامی جگہوں (Public Places) پر سگریٹ نوشی پر پابندی عائد کر دی۔ سگریٹ کی قیمتوں میں تقریباً چار برسوں میں سو فیصد اضافے کی وجہ سے بہت سے لوگوں نے سگریٹ نوشی کی عادت کم کر دی۔ کم تنخواہ والے تو سگریٹ نوشی میں ایسا صرفہ کرتے نظر آئے جیسے وطن عزیز میں غریب دو وقت کی روٹی میں۔ جرمنی میں تو مہنگائی کے ٹیکے کی ہائی ڈوز سے صرف تمباکو نوش ہی متاثر ہوئے مگر ہمارے ہاں تو مہنگائی کا ایسا سپرے کیا جاتا ہے جس سے کوئی غریب محفوظ نہیں رہتا۔ پٹرول، ڈیزل اور گیس کی قیمتوں میں بلاناغہ اضافہ کر کے سی این جی سٹیشن پر گیس کا ناغہ، روزمرہ کی چیزوں کی قیمتیں آسمانوں کی بلندیوں کو چھو رہی ہیں اور چیزوں کا معیار پستی کی طرف، عوام کو تحفظ فراہم کرنے والے اداروں سے ہی عوام خوفزدہ، دانشور کا لبادہ اوڑھے مکار جاہل میڈیا میں عوام کو شب و روز بے وقوف بنانے میں مصروف، جو اپنے مفاد کے لیے کیچوے کو کوبرا اور کوبرے کو کیچوا دکھانے کی نہ صرف کوشش کرتے ہیں بلکہ اسے ٹھیک ثابت کرنے کی کوشش میں ''بڑوں سے وفاداری'' کا ورلڈ کپ جیتنے میں مصروف نظر آتے ہیں۔ عوام کو نان ایشوز میں الجھا کر ایشوز سے دور رکھنے کو کوشش کی جاتی ہے۔ نااہل حکمرانوں کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے ریاست کے بیشتر ادارے عوام کا اعتماد کھو چکے ہیں۔ ان گھمبیر حالات میں اپنے بقاء کی جنگ لڑنے کے لیے لوگ کسی شارٹ کٹ کی تلاش میں رہتے ہیں، جس کے نتیجے میں جرائم پیشہ عناصر کی تعداد میں مہنگائی کی رفتار سے اضافہ ہو رہا ہے۔ بہتر تعلیم اور روزگار کے مناسب مواقع نہ ہونے کی وجہ سے وطن عزیز سے تقریباً آدھ کڑور لوگ پردیس میں آ کر آباد ہوئے ہیں۔ اوورسیز پاکستانیوں کے مسائل دوہری نوعیت کے ہوتے ہیں انہیں پاکستان میں بسنے والوں کی

مشکلات کا دکھ بھی سہنا پڑتا ہے اور پردیس میں سارے غم اکیلے ہی نگلنے پڑتے ہیں۔ اپنا بھرم رکھنے کے لیے پردیس میں پیش آنے والی مشکلات کا ذکر بھی پاکستان میں کسی سے نہیں کرتے۔ ایک کمرے کے فلیٹ میں درجن افراد بارہ بارہ گھنٹے مشقت کر کے گزارر ہے ہوتے ہیں، یہاں آباد فیملیز بھی دو کشتیوں میں سوار مسافر کی مانند زندگی کا سفر طے کر رہی ہیں۔ تمام تر مشکلات کے باوجود پردیس میں آباد پاکستانیوں کی سوچ کا محور پاکستان ہی ہوتا ہے۔ جو شاید پاکستان میں بسنے والوں سے زیادہ پاکستان کے خیر خواہ ہیں، معاشی بحران میں اوور سیز پاکستانیوں کا بھیجا ہوا پیسہ آکسیجن کے اس سلنڈر کا کام کر رہا ہے جو آئی سی یو میں لیٹے آخری ہچکیاں لیتے ہوئے مریض کو لگایا ہوتا ہے۔ حکومت پاکستان کو پاکستان میں بسنے والے لوگوں کے مسائل نظر نہیں آتے تو وہ بھلا پردیسیوں کے مسائل پر کیا خاک توجہ دے گی۔ دیار غیر میں آباد پاکستانی بھی حکومت پاکستان کے سوتیلے رویے کے عادی ہو چکے ہیں جو بیرون ممالک میں کسی بھی سرکاری یا نیم سرکاری دفتر میں کسی بھی کام کے لیے بے دھڑک ہو کر اس لیے چلے جاتے ہیں کیونکہ ان کو معلوم ہوتا ہے یہاں حقوق و فرائض کے پلڑے میں توازن ہوتا ہے بدقسمتی سے اگر کہیں کچھ امتیازی سلوک ہو بھی تو وہ بھی گرین پاسپورٹ کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔ وطن عزیز میں لوگ جیسے عدالتوں اور ہسپتال سے پناہ مانگتے ہیں ایسے ہی سمندر پار پاکستانی ''پاکستانی قونصل خانے'' سے پناہ مانگتے نظر آتے ہیں۔ ملک کی معیشت کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھنے والے سمندر پار پاکستانیوں کے مسائل سے حکومت پاکستان نے ہمیشہ ہی غفلت برتی ہے بلکہ مگر ہر دور میں انہیں کسی نئے مسئلے سے دوچار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی کے دور میں پردیسوں کو دیس میں بسے ماں باپ، بہن بھائی، دوست احباب اور بیوی بچوں سے رابطے میں بہت سہولت ہوگئی ہے۔ کبھی خط لکھ کر جواب کے انتظار میں ہفتوں لگ جاتے تھے آج وہی پردیسی روزانہ اپنوں سے ٹیلیفون یا انٹرنیٹ کے ذریعے بات کر کے پوری ملاقات کر لیتے ہیں۔ مگر حکومت پاکستان کو پردیسیوں کی یہ معمولی سہولت بھی برداشت نہ ہوئی۔ حکومت پاکستان نے 30 ستمبر 2012ء سے اوور سیز ٹیلی فون کالز پر اوور سیز پاکستانیوں سے پندرہ کڑور ڈالرز ماہانہ ٹیکس لگا دیا ہے جس کی وجہ سے بیرون ممالک سے پاکستان ٹیلی فون کے ریٹس میں 500 سے 600 فیصد اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اس وقت پاکستان ٹیلی فون کالز کا ریٹ دنیا کے تمام ممالک سے زیادہ ہے، بھارت، سری لنکا، افغانستان، نیپال، بنگلہ دیش، گھانا اور ایتھوپیا سمیت تمام ممالک میں انٹرنیشنل ٹیلی فون کالز کے چارجز پاکستان سے بہت کم ہیں۔ جرمنی نے تو سگریٹ کی قیمتوں میں 100 فیصد اضافہ چار برس میں کیا تھا جس سے کسی کی صحت پر برا اثر بھی نہیں پڑنا تھا ادھر تو معاملہ رابطے کا ہے، جس میں خلل پڑنے سے احساس کا لیول کم ہو جاتا ہے جو رشتوں کو کمزور کر دیتا ہے۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی کے دور میں کاروبار بھی ٹیلی فون کالز پر ہوتے ہیں، ملکی حالات ویسے ہی سازگار نہیں اور اب ٹیلی فون پر بے رحمانہ ٹیکس لگا کر بیرون ملک آباد لوگوں کو کسی دوسرے ملک میں سرمایہ کاری کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ میڈیا جو بات اقتدار کے ایوانوں میں تک نہ پہنچائے اب اس کی بازگشت سوشل میڈیا کے ذریعے ضرور سنائی دیتی ہے۔ سوشل میڈیا میں ایک اشتہار کے ذریعے حکومت پاکستان سے اپیل کی گئی ہے کہ ٹیلی فون کالز پر بلا جواز ٹیکس فوری طور پر واپس لیا جائے۔ بصورت دیگر بیرون ملک مقیم پاکستانی احتجاجاً پاکستانی بینکوں کے ذریعے زرمبادلہ پاکستان بھیجنے اور قومی ائیر لائن پر سفر کرنے کا بائیکاٹ کر دیں گے اگر سمندر پار پاکستانی غیر ملکی بینکوں یا مالیاتی اداروں کے ذریعے رقوم کی ترسیل کے لیے اپنانا شروع کر دیں اور غیر ملکی فضائی کمپنیوں

سے سفر کرنا شروع کر دیں تو اس میں کس کا فائدہ ہوگا؟ دنیا کے بیشتر ممالک اس وقت 3G کی سہولت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور ہماری قوم کو ٹیلی فون کالز کے لیے ترسایا جا رہا ہے۔ حکومت وقت کو اگر انتخابی مہم کے لیے پیسہ درکار ہے تو اس کے لیے بہت سے اور غلیظ راستے موجود ہیں پردیس میں بسے پاکستانیوں کو قربانی کا بکرا بنانے کی کیا ضرورت ہے؟

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com

12-10-2012.